Chapter- 2

باب دوم

عصمت چغتائی کا سفر زندگی :

باب دوم

عصمت چغتائی کا سفر زندگی :

خاندان :

انسان کی زندگی بڑی تہہ دار ہوتی ہے۔ [illegible]

[illegible]

انسان کی زندگی واقعات کا خزانہ اور مسائل کا انبار ہے۔ ان میں سے ہر واقعہ اپنے اندر ایک کشش رکھتا ہے۔ ان واقعات کی کڑیوں سے زندگی کا سلسلہ مرتّب ہوتا ہے۔

عصمت چغتائی کے دادا کا نام مرزا کریم بیگ چغتائی تھا چنگیز خان کے دو بیٹے تھے ہلاکو خان اور چغتائی خان۔ چغتائی خان سے عصمت چغتائی کے دادا مرزا کریم بیگ تھے۔ جنہوں نے دو شادیاں کی تھیں عصمت چغتائی کی دادی دوسری بیوی تھیں پہلی بیوی کے بطن سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھیں عصمت کی دادی سے تین بیٹے مرزا ابراھیم بیگ چغتائی (جنہیں عصمت چغتائی بڑے ابا، کہا کرتی تھیں) عصمت کے والد مرزا قسیم بیگ چغتائی اور چھوٹے چچا مرزا مستقیم بیگ چغتائی اور ایک پھوپھی بادشاہی خانم عرف بچھو پھوپھی پیدا ہوئیں۔ مرزا ابراھیم بیگ ایک پرہیز گار اور متقی شخص تھے مزاج کے اعتبار سے پکّے مغل تھے اور خود کے مغل ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ مغل سے بہادر، انصاف پسند اور دریادل قوم دنیا میں اور کوئی نہیں۔

والد :

عصمت چغتائی کے والد کا نام مرزا قسیم بیگ تھا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے گریجویشن کیا تھا۔ انگریزی حکومت میں ڈپٹی کلکٹر کی حیثیت سے اپنے عہدے پر فائز رہے۔ حکومت کے معتبر افسر ہونے کی وجہ سے انہیں 1911ء میں ''خاں بہادر'' کا خطاب ملا تھا۔

شوقین مزاج کے مالک تھے۔ باغبانی کرنا، گھڑسواری کرنا، اعلیٰ نسل کے کتے پالنا، شکار کھیلنا موسیقی اور گانے سے رغبت رکھتے تھے۔ ان کے دس بچے ہوئے ہر بچے کی پیدائش پر گھر میں جشن منایا جاتا۔ وہ مذہب پرست اور بدعت سے دور تھے۔ نیک اور سعادت مند شخص تھے۔ فطرتاً رحم دل اور خداترس تھے۔

عصمت کے والد وطن پرست بھی تھے۔ ہندوؤں سے بھی وہ بلا جھجھک دوستی کرتے گھریلو تعلقات بڑھاتے اور دعوتیں بھی ہوتیں۔ اس طرح وہ ایک غیر جانبدار افسر تھے۔ وہ حکومت کے معتبر افسر تھے۔ ایک وطن پرست ہونے کی وجہ سے ہندو مسلم دونوں فرقوں کے خیر خواہاں تھے۔ ان کے سینے میں ایک سچے ہندوستانی کا دل دھڑکتا تھا۔

عصمت چغتائی کے والد صاحب کے ہر پہلو میں وفا کی عکاسی جھلکتی ہے۔ اولاد کی پرورش اور تربیت میں بھی انھوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ایک دردمند اور شفیق باپ تھے۔ دس بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت آسان کام نہیں تھا۔ قسیم بیگ چغتائی نے اس فریضے کو بخوبی نبھایا۔ ایک اچھے اور دردمند، معتبر شوہر تھے۔ نیک اور ایماندار، فرض شناس اور بااخلاق انسان تھے۔

والدہ :

عصمت چغتائی کی والدہ کا نام نصرت خانم تھا۔ عصمت نے اپنی والدہ کی شکل وصورت کا یوں نقشہ کھینچا ہے۔

''گول مٹول، پیاری رنگت، سنہرے گھنگھریالے بال، شربتی آنکھیں، پھیلا ہوا نقشہ۔''

نصرت خانم بول چال میں بہت تیز اور طرّار تھیں۔ بات بے بات ان کا ہاتھ بھی اُٹھ جاتا تھا۔ تمام بچّے ان سے عزت وتعظیم سے پیش آتے تھے۔ اماں بھی دردمند، مذہب پرست اور شوہر پرست خاتون تھیں۔ دو تین بار گھر میں ایسے واقعات پیش آئے اس میں شوہر کی بات کو سرِ تسلیم کرلیا۔ اور معاملہ سلجھ گیا۔ عظیم بیگ کا اپنی بیوی سے پردہ ہٹوا دینا۔ عصمت چغتائی کا تعلیم حاصل کرنے کیلئے گھر میں بغاوت کرنا۔ عصمت کا پردہ کو ترک کرنا جیسے مسائل کا حل والدین کی مدد سے ہوا۔ عصمت کا کہنا ہے کہ جب وہ طفلی حدود سے گزر چکی تھیں تب بھی اماں کے ہاتھ سے پٹائی ہوتی۔عصمت اس بارے میں لکھتی ہیں :

''بقول اماں کے شرم وحیا بیچ کھائی تھی میں نے ہاتھ آجاتی تھی تو بلا کسی خطا کے مارنے لگتی تھیں۔ مگر میں دو تین دھول کھا کر بھاگ جاتی تھی''۔ (۱)

عصمت بڑے بھائیوں کی صحبت میں پلی بڑھی تھیں۔ امّاں جی نصرت خانم کو لڑکی کا لڑکوں کے ساتھ کھیلنا، ان کی طرح گھوڑے سواری کرنا، گلی ڈنڈا کھیلنا، مردوں کے مخصوص کھیل کھیلنا ناگوار گزرتا تھا۔ امّاں کی نظروں میں لڑکیوں کیلئے گھر کے کام کاج کرنا، گھر کی چہار دیواری میں بیٹھ کر شوہر کی خدمت کرنا اہم تھا۔ لڑکی کا بے باک اور منہ پھٹ ہونا انہیں ناگریز گزرتا تھا۔عصمت کے لفظوں میں : ''یہ امّاں کی ناسمجھی، ناعاقبت اندیشی اور حقیقت ناشناسی کا

---

(۱) (عصمت چغتائی شخصیت اورفن۔ جگدیش چندر ودھاون ۔ص-۲۶) کتابی دنیا۔ نئی دہلی ۲۰۰۶ء

مظہر تھا۔ کیونکہ وہ تعلیم سے بے بہرہ تھیں۔ وہ سماج کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ناواقف تھیں''۔ (۱)

عصمت کے میٹرک پاس ہونے پر بھی امّاں کو خوشی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ بیٹا شمیم کا پاس ہونا ان کی نظر میں اہمیت رکھتا تھا۔ ان کی نظر میں لڑکی کا ڈگریاں لینا بےمعنی تھا۔ ڈگری بغیر مرد ذات کی زندگی خراب ہونا تھا۔ لڑکوں کا ''اَن داتا'' ہونے کے ناتے روزی روٹی کے لئے گزربسر کرنے کے لئے تعلیم یافتہ ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ نصرت خانم کا ردِعمل کم سمجھ ماں کا تھا۔

عصمت کی امّاں کی شخصیت کا دوسرا پہلو باوفا بیوی ہے۔ ان کے کوکھ سے دس بچوں میں چھ لڑکے اور چار لڑکیوں نے جنم لیا۔ ان کے کنبہ پروری بھی قابلِ تحسین تھی۔ عصمت کے الفاظ میں :

''انھوں نے بڑے ابّا اور انکے بچّوں کو پالا اپنی نند کے تین بچے بھی پالے۔ اور تو اور غیروں کے بچے پالے چچامیاں کی خاطر کرتی ہیں۔ سارا کنبہ انکی تعریف کرتا ہے'' (۲)

کثرتِ اولاد کے باوجود اعزاز و اقارب اور ان کے بچّوں سے حسنِ سلوک، مہمان کی خاطر تواضع میں بھی کوئی کسر نہ رکھی۔ **''دوست نواز''** اپنے وقت کی عام عورتوں کے برعکس متعصّب اور تنگ نظر نہ تھیں۔ وہ مذہبی بھائی چارہ میں یقین رکھنے والی تھیں۔ ہندو خواتین کو اپنے گھر مدعو کرتی رہتی تھیں۔ پنڈت جی سے ستیہٗ نارائن کی کتھا بھی کرواتی تھیں۔ اجمیر شریف میں چادر بھی چڑھایا کرتی تھیں۔ اگر عصمت پڑوسیں کرشن جنم اشٹمی کے موقع پر اپنی سہیلی کے یہاں جاتیں تو کبھی راستہ نہیں روکا بلکہ ان کی شرکت کو تحسین نظر سے دیکھتیں۔ اپنے مذہب کی اتنی ہی پابند تھیں جتنا کوئی مسلمان متقی اور پرہیزگار مسلمان ہوسکتا ہے۔

---

(۱) عصمت چغتائی شخصیت اور فن۔ جگدیش چندر ودھاون ص-۲۷ کتابی دنیا نئی دہلی ۲۰۰۶ء

(۲) عصمت چغتائی مضمون تصادم۔ ص-۸۲ ۱۹۹۴ء پبلیکشرز ڈویژن دہلی

عصمت لکھتی ہیں :

اماں نے اپنی زندگی کے آخری ایّام بے کسی اور اکیلے پن میں گزارے۔ عصمت ان سے جب جودھپور ملنے گئیں تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ جس نے خاندان کو دس بچّے دیئے تھے آج وہ اکیلی تنہا غمزدہ ہو کر اپنی زندگی کے دن گزار رہی تھیں۔ ابا میاں کا انتقال ہو چکا تھا۔ لڑکیاں اپنے گھروں میں خوش وخرّم زندگی گزار رہی تھیں۔ بیٹے اپنے اپنے مقام پر اپنے کنبے کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ اتنے بیٹے بیٹیوں میں اماں کے ساتھ آج کوئی نہیں تھا۔ وہ سب کی نظروں میں فضول بن کر رہ گئی تھیں۔ یہ وہی گھر تھا۔ اسی گھر کے درودیوار تھے جہاں کبھی محفلیں سرگرم رہتی تھیں۔ یہ وہی سرسبز شاداب چمن تھا جہاں ہریالی ہی ہریالی تھی۔ وہی چمن آج ویران سا لگ رہا تھا۔ جہاں اماں اُداس اُداس آج زندگی بسر کر رہی تھیں۔ یہ زمانہ بھی کتنا رنگین ہے۔ جہاں زندگی کے کئیں اُتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے گزر جاتے ہیں۔ لیکن ''اُتار'' کی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹتیں۔ بڑھاپے کا اُداس پل بھاری پڑ جاتا ہے۔ اماں بھی اسی دور سے گزر رہی تھیں۔ (۱)

آخر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ عصمت چغتائی کی اماں نے ابا میاں کے سایے میں بچّوں کی چہل پہل میں ایسی زندگی گزاری جس کی خواہش ہر عورت کو ہوا کرتی ہے۔ خدا کے فضل سے ان کے ناز نخرے اٹھانے والا اور پیار کرنے والا شوہر اور فرماں بردار اولاد اماں کو نصیب ہوئی۔ زندگی میں ساری نعمتیں مہیا ہوئی تھیں کبھی کسی کے سامنے دست دراز کرنے کی نوبت نہ آئی۔ یہ توفیق ہر کسی کو ملنا سب کے مقدر میں نہیں ہوتا۔

عصمت چغتائی :

عصمت چغتائی کی پیدائش ۲۱/اگست ۱۹۱۵ء بدایوں (یوپی) میں ہوئی۔ وہ

(۱) جگدیش چندر ودھاون عصمت چغتائی شخصیت اور فن۔ ص-۲۹، کتابی دنیا۔ نئی دہلی ۲۰۰۶ء

اپنے خاندان کے دس بچّوں میں آخری لڑکی تھیں۔ کثرتِ اولاد کے باعث عصمت کے پیدا ہوتے تک بچوں سے ان کی دل چسپی ختم ہو چکی تھی۔ عصمت اس بارے میں لکھتی ہیں :

''اتنے سارے بچّے تھے کہ ہماری امّاں کو ہماری صورت سے قے آتی تھی۔ ایک کے بعد ایک ہم ان کی کوکھ کو روندتے کچلتے چلے آئے تھے۔ اُلٹیاں اور دردسہہ سہہ کر وہ ہمیں ایک سزا سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھیں۔ کم عمری میں ہی پھیل کر چبوترہ ہو گئی تھیں۔ پینتیس برس کی عمر میں وہ نانی بن گئیں۔ اور سزا در سزا جھیلنے لگیں۔ ہم بچے نوکروں کے رحم وکرم پر پلتے تھے اور بے طرح مانوس تھے'' (۱)

عصمت ماں کے پیار سے محروم رہیں انھیں وہ پیار نہ ملا جو بچے کا پیدائشی حق ہوتا ہے۔ نہ ناز نخرے اٹھائے گئے، نہ کبھی تعویذ گنڈے باندھے گئے، نہ کبھی نظر اُتاری گئی۔ نہ کبھی خود کو زندگی کا اہم حصہ محسوس کیا۔ عصمت کے بچپن کی بے بسی اور کم پرسی پر ان کی والدہ کی بے توجہی کی وجہ عصمت کا لڑکی ہونا ممکن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لڑکی کا ہمارے معاشرے میں والدین پر بارِ گراں سمجھا جاتا ہے۔ لڑکی کو لڑکوں کے مقابلے کمتر اور ناسمجھ سمجھا جاتا ہے۔

عصمت کی دیکھ بھال تو انّا کرتی یا پھر ان کی بہنیں۔ عصمت کو اپنی ماں کا دودھ پینا بھی نصیب نہ ہوا۔ عصمت خود اس بارے میں کہتی ہیں :

''میری امّاں نے کسی بچے کو دودھ نہیں پلایا۔ ان کے دودھ میں کچھ خرابی تھی۔ عظیم بیگ کو پلایا جنھیں ٹی۔ بی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے ٹیسٹ (Test) کر کے بتایا کہ امّاں کا دودھ خراب ہے۔ اُسے نکال کر ایک کتّے کے بچے کو پلایا جاتا تھا۔ وہ پاگل ہو گیا۔ سب بچوں نے ''انّاؤں کا ہی دودھ پیا''۔ (۲)

---

(۱) عصمت چغتائی کاغذی ہے پیرہن۔ مضمون غبار کارواں۔ ص-۱۹، پٹیالہ ھاؤس، نئی دہلی ۱۹۹۴ء

(۲) جگدیش چندر ودھاون عصمت چغتائی شخصیت اور فن۔ ص-۳۱، بحوالہ عصمت چغتائی ''باتیں عصمت آپا سے'' انٹرویو شمع افروز زیدی ماہنامہ بیسویں صدی نئی دہلی۔ جنوری ۱۹۹۲ء ص-۲۴

عصمت نے جب ہوش سنبھالا تو ان کی تینوں بڑی بہنوں کی شادی ہوچکی تھی۔ اب عصمت صرف اکیلی پانچ بھائیوں میں ایک تھیں۔ بھائیوں کے ساتھ پرورش پانے کا موقع ملا۔ کبھی کسی معاملے میں حق نہ ملتا تو والد صاحب انہیں انصاف دلاتے۔ اس طرح عصمت کی نظر میں والد صاحب نے کبھی بیٹیوں کا حق نہیں مارا بلکہ ان کے سایے میں رہ کر حق مل جاتا تھا۔ عصمت کی بڑی بہنیں امورِ خانہ داری میں ماہر تھیں، کشیدہ کاری، سلائی، بنائی میں ماہر تھیں۔ اردو، فارسی اور قرآن شریف کی تعلیم بھی گھر پر ہی حاصل کی تھی۔ بلکہ بہنوں کے بمقابل عصمت پھوہڑ، بے سلیقہ اور محنت ومشقت سے گریز کرنے والی تھیں۔ بڑی بہنیں گھر کی کل مختار تھیں۔ بھائی ان کے احسان مند شکر گزار تھے۔ مگر عصمت بھائیوں کے لئے دردِ سر تھیں۔ اس وجہ سے ہمیشہ بھائیوں نے انہیں دھتکارا۔ پھٹکارا اور ذلت بھرا سلوک کیا۔ عصمت اس بارے میں لکھتی ہیں :

''مہترانی جھاڑو دے رہی تھی کہ میں بغیر اطلاع کے ایک دم پیدا ہوگئی۔ یوں تو اور بچوں کی پیدائش پر میم آیا کرتی تھی۔ مگر مجھے مہترانی نے سنبھالا اور اُسی نے نال کاٹا۔ اسلئے میرے بھائی بہن مجھے ''بھنگن کی لونڈیا'' کہہ کر چڑایا کرتے تھے۔ میں نہایت ضدّی اور خود سر بن گئی تھی۔ اس لئے میرا نام ''بھنگی'' رکھ دیا میرے شریر بھائیوں نے''۔ (۱)

بہنوں کی شادی ہوجانے پر عصمت کو اپنے بھائیوں کی صحبت ملی۔ لہٰذا وہ سارے کھیل کھیلے جو لڑکوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ عصمت کو وہ آزادانہ ماحول ملا اس وقت عموماً لڑکیوں کو ایسے ماحول سے بری رکھا جاتا تھا۔ عصمت آزاد اور کھلی فضا میں پرورش پانے کے لئے بھائیوں کی ممنون تھیں بھائیوں کی صحبت اور سنگت سے ہی آزادی سے سوچنے کا اور اپنے فیصلے خود کرنے کی عادی ہوگئی۔ لڑکیوں والی حرکتیں عصمت کو نہ بھائی گھر کے ماحول بے اعتنائی نے عصمت کو بچپن ہی سے بے باکی، بے تکلفی، باغی وضدّی بنا دیا تھا، اور وہ ایسے سانچے میں

---

(۱) جگدیش چندر ودھاون عصمت چغتائی شخصیت اور فن۔ ص-۳۲، بحوالہ عصمت چغتائی ''باتیں عصمت آپا سے'' انٹرویو ڈاکٹر شمع افروز زیدی ماہنامہ بیسویں صدی نئی دہلی۔ جنوری ۱۹۹۲ء ص-۲۴

ڈھل گئیں جو اُن کی پہچان بن گئی۔ اور باغی رویّے نے نسوانی حقوق کو بیدار کیا۔ جس کی اکثر مثالیں دیکھنے کو ملتی ہے۔ طفلی کے دور کی ایک مثال یہ ہے کہ گھر میں ایک سفید گھوڑی تھی۔ جس پر سب بھائی باری باری سیر کرتے۔ عصمت دور سے انھیں للچائی نگاہوں سے دیکھتی رہتی کیونکہ امّاں کا حکم تھا کہ اگر وہ گھوڑی پر چڑھی تو تانگیں توڑ دینگی۔ ان کے نزدیک گھوڑے سواری کرنا لڑکیوں کو زیب نہیں دیتا تھا۔ مگر عصمت ضدّی تھیں لڑکوں سے کمتر نہیں تھیں۔ ایک بار وہ گھوڑے کے پیچھے روتی ہوئی جا رہی تھیں اور بھائی شان سے گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے والد کچہری سے لوٹے اور پوچھا :

''یہ کیوں رو رہی ہے اس نے بتایا۔ گھوڑی پر بیٹھنا چاہتی ہے۔ ابا نے کہا بیٹھاتے کیوں نہیں؟ جی بیگم صاحبہ کی اجازت نہیں ہے۔ ابا نے کہا بیٹھاؤ'' (۱)

عصمت تب سے روزانہ گھوڑی سواری کرنے لگی۔ اپنی فتح مندی پر بے پناہ احساس ہوا۔ عصمت کی یہ پہلی فتح تھی جس پر عصمت فخر محسوس کرتی تھیں۔ اس کے بعد تو کارتوس سے نشانہ لگانا بھی سیکھا۔ عصمت کے [illegible] شعور میں گھر کا تعلیمی ماحول، [illegible] اور روشن خیالی کے ساتھ ساتھ اردگرد کے سماجی حالات بھی ذمّے دار تھے۔ معاشرے کے حالات سے عصمت کا بچپن بیگانہ نہ رہ سکا۔ ناانصافی اور خصوصاً عورتوں کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی نے عصمت کے ذہن کو بہت متأثر کیا۔ اس کی مثال عصمت نے آگرہ کی عورتوں کی دی ہے۔ والد صاحب ملازمت سے سبکدوش ہوکر آگرہ کے موروثی مکان میں قیام پزیر ہوئے تب کھلی فضا میں پرورش پانے والی عصمت کو آگرہ کی گلیوں میں گھٹن ہونے لگی۔ آگرہ کی غلیظ گلیوں میں رہنے والی سہمی سہمی لڑکیوں سے عصمت کی نہ بنی۔ عصمت نے یہاں عورتوں کے نفسیات سے واقف ہوکر اپنے آپ میں خوداعتمادی پیدا کر کے فطری طور پر موجود عناصر کو باغیانہ اور ضدّی بنا دیا۔

---

(۱) عصمت چغتائی۔ میری آپ بیتی۔ ص-۵ (عصمت کے افسانے جلد اوّل تا چہارم)

عصمت کی والدہ کو ان کی یہ عادات ایک نظر بھی نہ بھاتی تھی۔ ان کو ہمیشہ ''انجام'' کی فکر ستاتی رہتی تھی۔ ان کی رائے میں یہ سب چیزیں مردوں کو زیب دیتی ہیں۔ وہ چاہتی تھیں عصمت بھی اپنی بڑی بہنوں کی طرح عورتوں کے دائرے میں رہ کر زندگی بسر کرے۔ مگر عصمت کو یہ سب کچھ ایک بوجھ لگتا تھا۔ دھن کی پکی تھیں جس کی وجہ سے بھائیوں کے ساتھ رہ کر ان پر فوقیت حاصل کرنے کی قسم کھائی تھی۔ نسوانیت کو وہ ڈھونگ سمجھ کر اپنی مصلحت سے جی رہی تھی۔ عصمت باغی اور ضدی ہونے کے ساتھ ساتھ نرم طبیعت رحم دل بھی تھیں ایسا ایک واقعہ ہے جو عصمت کی زندگی کا پہلا المیہ تھا۔ جس نے اسکے ذہن کو ہلا کر رکھ دیا۔

بچپن میں پہلی بار عزاداری کی مجلس میں شرکت کی تھی۔ مجلس میں ماتم منایا جا رہا تھا۔ جب علی اصغر کے حلق میں تیر پیوست ہونے کا ذکر آیا تو خوف زدہ ہو کر، بے تحاشا رونے لگیں۔

''کیوں مارا حلق میں تیر'' کہہ کر چلانے لگی۔ محفل میں بھائی بھی موجود تھے۔ آخر کار اس محفل سے عصمت کو نکال باہر کیا گیا۔ گھر آکر بھائیوں نے شکایت کی۔ پھر بھی عصمت کوئی تاب نہیں لا رہی تھیں۔ ذہن میں تیر مارنے والا ذکر گھوم رہا تھا۔ گھر پر آکر بھی رونا چلانا۔ سسکیاں بھرنا کم نہ ہوا۔ اماں سے مار پڑی۔ گھر میں برسوں عصمت اس واقع کا موضوع بنی رہیں''۔ (۱)

تعلیم کے معاملے میں عصمت کا خاندان روشن خیال اور وسیع النظر تھا۔ لیکن یہ وسیع النظری مردوں کی تعلیم تک محدود تھی۔ عورتوں کی تعلیم کے متعلق تنگ نظری پائی جاتی تھی۔ گھر کے افراد میں صرف عصمت کے والد اور عظیم بیگ چغتائی آزادانہ خیال رکھتے تھے۔ تعلیم نسواں کے متعلق دیگر تمام دقیہ نوسی خیالات رکھتے تھے۔ ان کی نظروں میں لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا معیوب

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : عصمت چغتائی کاغذی ہے پیرہن (مضمون) غبارِ کارواں۔ ص-۲۱

سمجھا جاتا تھا۔ عصمت کے خاندان کی فارسی زبان تھی۔ لہٰذا بڑے ابّا (تایا) اپنے بیٹوں کو فقط فارسی تعلیم دلوانے کی حمایتی تھے۔ وہ انگریزی تعلیم دلوانے سے کتراتے تھے۔ ان کے بچے فارسی فرفر لکھتے اور پڑھتے تھے۔ مگر ملازمت پانے میں ناکام رہے۔ لیکن عصمت کے والد کے روشن خیال اور ذہین ہونے کے سبب اپنے بیٹوں کو انگریزی تعلیم دلوانے کا فیصلہ کیا۔ بزرگوں کے خلاف بیٹوں کو انگریزی تعلیم دلوائی۔ لیکن تین بیٹیوں کو فارسی تعلیم دلائی۔ تین بہنیں فارسی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر شادی کے بعد اپنے گھروں کو جا چکی تھیں۔ اب عصمت کی باری تھی۔ عصمت کے بھائیوں نے اس فیصلے پر بڑی خوشی منائی اور عصمت کا مزاق اڑانے لگے۔ ہم پر انگریزی تعلیم کی راہیں کھل جائیں گی۔ اور تم محض فارسی پر اکتفا کرنا۔ ''پڑھو فارسی اور بیچو تیل'' کیونکہ فارسی اب متروک زبان ہو چکی تھی۔ عصمت کو بڑے ابّا نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ عصمت نے بڑے ابّا سے بادلِ نخواستہ فارسی تعلیم حاصل کی۔ اب انگریزی تعلیم حاصل کرنا مقصد بن گیا۔

تب سے ماموں مہینہ بھر پڑھاتے رہے۔ اتنا پڑھا کہ اسکول میں چوتھی جماعت میں ایڈمیشن دیا گیا۔ پھر ڈبل پروموشن ملنے پر چھٹی جماعت میں داخلہ مل گیا۔

اس کے بعد آگرہ سے علی گڑھ مع خاندان منتقل ہونا پڑا۔ اور وہیں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ علی گڑھ سے ابّا میاں کا تبادلہ سانبھر ہو گیا۔ مجبوراً عصمت کو علی گڑھ چھوڑنا پڑا۔ تعلیم جاری رکھنے کے منصوبے ملتوی ہو گئے۔ گھر والوں کی بہت منّت سماجت کی کہ بورڈنگ ہاؤس میں داخلہ دلوا دیا جائے۔ ابّا میاں اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ اور کہا کہ ''بورڈنگ اسکول میں لڑکیاں آوارہ ہو جاتی ہیں''۔ کیونکہ عصمت سے پہلے دو بڑی بہنوں کو بورڈنگ

ہاؤس میں داخل کروایا تھا۔ بڑی بہن اکثر بورڈنگ سے غائب ہو جایا کرتی تھیں۔ اس واقعہ کی تفصیل عصمت کو بھی معلوم نہ تھی۔ لیکن ابا میاں نے عزیز و اقارب، دوست واحباب کی بات مان کر واپس بلا لیا۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنا اپنے مذہب سے منحرف ہو کر عیسائی مذہب اختیار کرنا سمجھا گیا۔ لیکن یہ حقیقت کم اور مفروضہ زیادہ، ایک خیالی دخل تھا جس نے ساری مسلم سوسائٹی کو اس تخیل کا شکار بنا دیا۔ نتیجتاً عصمت کی تینوں بڑی بہنوں کو جدید تعلیم سے محروم رہنا پڑا۔ اور صرف فارسی تعلیم حاصل کر کے وہ اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ حیرانی اس بات کی تھی۔ مرزا قسیم بیگ روشن خیال والد تھے پھر بھی وہ اس حقیقت سے ناآشنا رہے کہ قصور کس کا تھا۔ بورڈنگ ہاؤس یا ان کی بیٹی کا۔ عصمت کا بورڈنگ میں داخلہ دلوانا ''آوارگی'' کو دعوت دینا سمجھا گیا۔ سانبھر پہنچنے کے بعد رات دن بیکار بیٹھے رہنا عصمت کی طبیعت کے خلاف تھا۔ کہتے ہیں ڈھونڈنے سے خدا ملتا ہے۔ کچھ اسی طرح عصمت کی امید بھی بر آئی۔ کہیں گھپ اندھیرے میں ایک صندوق دکھائی دیا اس میں پرانی کتابیں جو بڑی بہن نے جمع کر رکھی تھی۔ وہ عصمت کے ہاتھ لگ گئی۔ ان میں ''تہذیب نسواں'' ''سہیلی'' ''عصمت'' اور ''مخزن'' رسائل کی پرانی کاپیاں تھیں۔ مولوی نذیر احمد اور راشد الخیری کی تصنیفات بھی تھیں۔ اب عصمت کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ لال ٹین میں بیٹھ کر رات رات بھر پڑھتی رہتی۔ تیل ختم ہونے پر چاند کی روشنی میں پڑھتیں۔ گویا ساری کتابیں چاٹ گئیں۔ اور پھر پہلے کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ گئیں۔

والدین کی سوچ کا دائرہ بہت محدود تھا۔ جس دائرے میں وہ اپنے آپ کو بوڑھی اور والدین کو نادان، سمجھتی تھیں کیونکہ عصمت فہمیدہ لڑکی تھیں۔ ناشعوری میں کی ہوئی بڑی بہن کی غلطی کو عصمت بھگت رہی تھیں۔ جبکہ وہ بے گناہ تھیں۔

عصمت کی والدہ کو انکی شادی کی فکر تھی۔ اور عصمت کا باغی رویہ اپنا حق مانگنے کی دعوت دے رہا تھا۔ کیونکہ عصمت کا بھائی شمیم میٹرک میں فیل ہوا۔ پھر جو فیس ملتی تھی اسے بھی ختم کر ڈالتا تھا۔ یہ بات عصمت کو ناگوار گزری۔ تعلیم کا شوق رکھنے کے باوجود اجازت نہ ملتی تھی۔ جبکہ بھائی فیل ہو رہا ہے۔ اور اسے اجازت ملتی ہے۔

عصمت کی شادی کی تیاریاں ہونے لگی۔ ایک دن اماں نے ایک خط عصمت کو دیا۔ جو ابا میاں کے میز پر رکھنے کو کہا عصمت نے خط پڑھا اس میں لڑکے کا فوٹو اور پیغام تھا۔ جو ڈپٹی کلکٹر تھا۔ عصمت ابھی شادی کرنا بالکل نہیں چاہتی تھیں۔ مزید تعلیم حاصل کرنا ان کا مقصد تھا اس سلسلے میں عظیم بیگ کی مدد چاہی مگر بڑے بھائی عظیم بیگ نے یہ بتایا کہ یہ رشتہ ان کی توسط سے ہی آیا ہے۔ تو دل ناامید ہو گیا اب خود عصمت نے ہی اپنے آپ کو سنبھالا، خود اعتمادی بچپن سے کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اپنی سوجھ بوجھ سے ایک ترکیب ڈھونڈ نکالی اور اس وقت اللہ کی مدد عصمت کے ساتھ تھیں وہ اس ترکیب میں کامیاب ہوئیں۔

ماموں زاد بھائی جو اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بمبئی میں مقیم تھا۔ وہ خاندان کا ایسا چشم و چراغ تھا۔ جسے تمام خاندان کے افراد اپنا داماد بنانا چاہتے تھے۔ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور جس کا روشن مستقبل تھا۔ اسے لکھ بھیجا کہ عارضی طور پر آپ لکھ بھیجے آپ شادی کے لئے رضامند ہیں۔ اس پر میں صدق دلی سے یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ سے ہرگز شادی نہیں کرونگی۔ ایسا ہی ہوا اور ماموں خط لے کر حاضر ہوئے اور شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں وہ رک گئیں۔ یہاں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسان اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لے تو یقیناً اسے کامیابی ملتی ہے۔ محنت کرے انسان تو کوئی کام مشکل نہیں۔ عصمت کو بھی اپنے پختہ ارادے

کے سبب اپنے مقصد میں کامیابی مل گئی۔ اور منزل خود قدم بوسی کے لئے آگے آ گئی۔ اور عصمت کے حصول تعلیم کے پختہ عزم نے عصمت کو بورڈنگ ہاؤس کی تیاریوں میں مصروف کر دیا۔ اتنے بڑے کنبے میں کوئی ساتھی نہیں تھا جو عصمت کا ساتھ دیتا۔ وہ اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کر کے اٹھی اور فجر کی نماز پڑھی گڑگڑا کر اللہ سے مدد چاہی اور بعد نماز چپ چاپ بیٹھ گئی۔ سامنے ابا میاں بیٹھے تھے موقع پا کر ابا میاں کے آگے پڑھائی کرنے کی بات کہہ ڈالی۔ دو تین روز بعد ابا نے علی گڑھ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی ساتھ ایک پاس بک بھی دی جس میں چھ ہزار روپے تھے۔ یہ رقم اس وقت معقول رقم تھی۔ آگرہ کا ایک مکان بھی عصمت کے نام کر دیا تاکہ اسے کرائے پر دیکر مستقل رقم حاصل کر سکے۔ جس سے عصمت کا خرچ نکل جائے۔ رقم اور مکان کے کاغذات دیکر ابا میاں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اسے جہیز سمجھو یا اپنا حق ''ہم تمہاری ذمّے داری سے آج سبکدوش ہوتے ہیں'' ''اس بات پر عصمت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ جیسے ناؤ میں بیٹھا کر پتوارے ہاتھ میں دیکر، مانجھی اکیلا چھوڑ گیا'' (۱)

اس واقعہ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عصمت باغی تھیں۔ بے باک تھیں۔ لیکن مذہب پرست بھی تھیں۔ اللہ پر یقین رکھنے والی تھیں۔ اللہ کی مدد لیکر اپنی کامیابی کی منزل کی طرف آگے بڑھیں۔ اور والد صاحب کا کردار نرم دل بردبار نظر آتا ہے۔ جب کہ انگریز افسر ہونے کی بحیثیت بارعب اور باوقار شخص تھے۔ اچھے اچھے ان کی ایک نظر سے ڈرتے اور پانی پانی ہو جاتے۔ یہاں باپ کی حیثیت سے وہی کیا جو اولاد کے حق میں مفید ثابت ہو۔ لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کے فرق کو بھی انھوں نے بالائے طاق رکھ دیا۔ سماج کی برائیوں اور لعن طعن کو نظر انداز کر کے وہی کیا جس میں بچی کی خوشی ہو۔ عصمت کے رونے پر باپ کی بپتا اور شفقت

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : عصمت چغتائی کاغذی ہے پیرہن (مضمون) لوہے کے چنے۔ ص-۱۳۱

جھلک پڑی وہ اس جملوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

''ارے بےقوف روتی کیوں ہو۔ فوراً داخلے کا فارم منگواؤ اور تیاری کرو۔ ہاں بیوی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ کپڑوں اور کرائے کے لئے یہ پچاس روپیہ رکھو''۔ (۱)

روانگی کا وقت بھی آ گیا۔ ابّا نے پیار اور شفقت سے انہیں ہدایات دیتے ہوئے کہا:

''تمہارے دانت بہت صاف ہیں۔ پان مت کھانا۔ نیم کی مسواک ضرور کرتی رہنا اور ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے نہانا''

اماں بولیں ''اے ہے سردیوں میں بھی''؟

ہاں ! جاڑوں میں بھی تازہ پانی سے بلاناغہ نہانا۔ اور کھیلوں میں برابر حصہ لینا بہت موٹی ہورہی ہو''۔ (۲)

اس اقتباس سے ابا میاں کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ کہ وہ دل ہی دل میں خوشی محسوس کررہے تھے۔ شاید انکی بیٹیوں میں پہلی بیٹی لڑکے کے شانہ بشانہ تعلیم حاصل کریگی۔ پہلی بیٹوں نے جوار مانوں پر پانی پھیرا تھا وہ آج خواب تکمیل کو پہنچ رہا تھا۔ ایسے ہی لوگ مثال بن کر آنے والی قوم کے لئے خضر راہ بن جاتے ہیں۔

عصمت نے آٹھویں درجہ تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس وقت عصمت کی عمر تقریباً چودہ یا پندرہ سال سے اوپر نہیں ہوگی۔ یہ عمر دسویں جماعت میں داخلے کی تھیں۔ علی گڑھ میں اسکول کی پرنسپل سے عصمت کی ملاقات ہوئی۔ اور عصمت بضد ہوگئی کہ نویں کی بجائے دسویں کلاس میں داخلہ دے دیا جائے۔ پرجوش لہجے میں اپنے کامیاب ہونے کی مہر لگارہی تھیں فیل ہونا اس کے لئے ناممکن تھا کیونکہ گھر والوں سے بغاوت کرکے ناراضی مول لے کر وہ حصولِ تعلیم کے لئے

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : عصمت چغتائی کاغذی ہے پیرہن (مضمون) لوہے کے چنے۔ ص-۱۳۱، ۱۳۲

(۲) ایضاً ص-۱۳۱، ۱۳۲،

آئی تھیں۔ فیل ہونا ناممکن تھا۔ آخر کار دسویں جماعت میں داخلہ پاکر عصمت میٹرک پاس ہوگئی۔ تقدیر عصمت کا ساتھ دے رہی تھی۔ یک بعد دیگر اپنی منزل مقصود کو پہنچ رہی تھیں۔ والد بزرگوار کی ہدایت کے مطابق کھیل کود میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور کثرت سے وزن بھی کم ہوگیا۔ بھائیوں کے درمیان کھیل کود کر پلی بڑھی تھیں۔ تو بلا جھجک نئے کھیلوں میں بھی حصہ لیتی اور بخوبی اپنا کھیل کھیلتی دیکھنے والے متاثر ہوجاتے تھے۔ (۱)

عصمت کی شخصیت کا دوستانہ پہلو بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ عصمت چغتائی سہیلیوں کے ساتھ بحسن خوبی پیش آتی۔ ہر جگہ عصمت کو دوست کا ساتھ ملا منگو، نیر اور بورڈنگ اسکول کی سہیلیاں سبھی کو موقع برمحل ساتھ دیا۔ دوست پرست کردار کی جھلکیاں عصمت کی دوستی میں دکھائی دیتی ہیں۔ میٹرک پاس کر کے عصمت کے لئے ایک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے راستے ہموار ہوگئے۔ اس وقت تعلیم نسواں کے لئے بی۔اے کرنے کے لئے علی گڑھ میں کوئی انتظام نہیں تھا۔ لڑکیاں بالعموم آئی ٹی کالج لکھنؤ میں داخلہ لیتی ہیں۔ وہ ایک کرسچن مشنری ادارہ تھا۔ ایف۔ اے تک کی تعلیم عصمت نے علی گڑھ بورڈنگ میں مکمل کرلی۔ عصمت نے ہر گیم میں حصہ لیا۔ سب کی نظروں میں اپنا مقام حاصل کرلیا۔ انتظامیہ منتظمین، طالبات مخصوص نگاہ سے دیکھتے۔ یہ سب جھلکیاں عصمت کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتی ہیں۔

اعلابی اور پاپا میاں دونوں کالج کے بانی تھے۔ ٹیچرس ممتاز آپا، خاتون آپا سے بھی عصمت کے تعلق دوستانہ رہے۔ اعلابی جو اس کالج کی صدر تھیں وہ بھی عصمت سے پیار و شفقت سے پیش آتی تھیں۔ عصمت نے ہر جگہ آزاد طبیعت کا ثبوت دیکر اپنا مرتبہ حاصل کرلیا تھا اسکی جھلک ہمیں ان جملوں میں دیکھنے ملتی ہیں :

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : عصمت چغتائی کاغذی ہے پیرہن (مضمون) لوہے کے چنے۔ ص-۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹

SMT. HANSA MEHTA LIBRARY
The M.S. University of Baroda

''ایک دن اعلابی نے عصمت سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے تمہیں شادی سے چڑ ہے
عصمت نے بے ساختہ جواب دیا۔ اعلیٰ بی کسی انسان کے حکم کا تابع بننا مجھ سے نہیں جھیلا جائے
گا۔ میں نے زندگی بزرگوں کے جبر کے خلاف احتجاج کر کے گزاری ہے۔ مجھے اپنی راہ آپ
بنانی ہے۔ مجھے پتی ورتا مشرقی سگھڑ بیوی بننے کے خیال سے ہی گھن آتی ہے''۔ (۱)

بعدازاں وقت بہ وقت اس نظریے کا اظہار عصمت بے باکی سے کرتی رہیں۔ اسی لئے
اپنے شوہر شاہد لطیف سے شادی سے پہلے ہی یہ بات کی وضاحت کردی تھی کہ اس بات کو ابھی
ذہن نشین کرلو کہ ''میں ایک گڑبڑ قسم کی لڑکی ہوں'' بعد میں کوئی شکایت نہ ہو۔ کالج میں
لڑکیوں کی ''لیڈر شپ'' بھی بڑی فراخ دلی سے نبھائی تمام لڑکیاں ان کے فیصلے کے سامنے
سر جھکاتی تھیں جو انکی مقبولیت اور دلعزیزی کا ثبوت تھا۔ غرض یہ کہ کالج کے ہر شعبہ میں چھائی
ہوئی تھیں۔

کھیلتے کودتے ہر سرگرمیوں میں حصہ لیکر ایف اے کا امتحان بھی عصمت نے پاس کرلیا۔
لیکن ابھی جو والد نے دیئے تھے ان چھ ہزار روپے میں سے کافی رقم باقی تھی۔ پھر ماموں زاد
بھائی جگنو سے شادی کے منصوبے بھی والدین بنا رہے تھے۔ لیکن عصمت ارادے کی ٹھوس اور
وعدے کی پکّی اور بے باک صلاحیت رکھنے والی تھیں۔ پختہ عزم کرلیا کہ بی اے کرنا ہے۔
والدین سے اجازت لینی چاہی لیکن حسبِ توقع انکار میں جواب ملا۔ اور پھر سے شادی کا ذکر
شروع ہوگیا۔ پھر عصمت نے بھوک ہڑتال کی جس کے بارے میں وہ خود لکھتی ہیں :

''چار دن تو والدین نے جھیل لیا۔ پھر میری امّاں کے حلق سے نوالا نہ اترا اور
میرے ابّا بھی مجھے لکھنؤ بھیجنے پر راضی ہوگئے۔ تب میں اتنا روئی کہ میرے ابا بھی دنگ رہ گئے۔

---

(۱) عصمت چغتائی کاغذی ہے پیرہن (مضمون) علی گڑھ ص -۱۵۸

پوچھا۔ ''بھئی اب کیوں رو رہی ہو؟''

میں نے کہا: ''خوشی کے مارے''۔ (۱)

اور مذکورہ اقتباس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عصمت کی ہر ضد کے آگے ابا جھک جاتے اور والہانہ انداز میں ہر مسئلہ کا حل نکال لیتے۔ جس میں ایک باپ کا والہانہ پن جھلکتا ہے۔

لکھنؤ:

عصمت کو والد صاحب سے آئی.ٹی.کالج لکھنؤ سے بی.اے کرنے کی اجازت مل گئی تو عصمت اکیلی ہی لکھنؤ کیلئے روانہ ہوگئیں۔ لکھنؤ اور کالج کا ذکر عصمت یوں کرتی ہیں :

''لکھنؤ کا پلیٹ فارم ہی علی گڑھ کے مقابلے میں مرعوب کن ثابت ہوا۔ لکھنؤ میں پہلی بار سیمنٹ کی سڑک دیکھی لکھنؤ جودھپور کے مقابلے میں پیرس لگ رہا تھا۔ میرا تانگہ کالج کے پلور ٹیکو کے سامنے رکا تو چند منٹ میں ساکت کھڑی پورٹیکو کے بلند ستون نظروں سے ناپتی رہی۔ میں نے اتنی شاندار عمارت پہلی بار دیکھی تھی۔ آئی.ٹی.کالج اشیاء کا سب سے شاندار ویمنز کالج تھا اور شاید اب بھی ہے۔'' (۲)

عصمت نے انگریزی ، پالیٹکس اور اکنامکس مضامین پسند کئے تھے اور اعلیٰ درجہ کی ہوسٹل جسے ''نشاط'' کہا جاتا تھا کمرہ بک کروایا۔ وہاں عصمت نے ہر کھیل میں حصہ لیا۔ جس استانی نے عصمت کو متاثر کیا وہ انگریزی کی پروفیسر ٹکرّ تھیں۔ جو کیمرج ، کیلیفورنیا یونیورسیٹوں میں پڑھا چکی تھی۔ عصمت چغتائی انکے بارے میں کہتی ہیں :

''ڈاکٹر ٹکرّ علم کا ایک سمندر ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا۔انھوں

---

(۱) جگدیش چندر ودھاون۔ عصمت چغتائی شخصیت اور فن۔ ص-۶۰

(۲) (عصمت چغتائی۔ روشنی، روشنی، روشنی (مضمون) ''کاغذی ہے پیرہن'' ص-۲۷۱ پبلیکشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس۔ ۱۹۹۴ء)

نے ورڈز ورتھ کی نظم Little Match Girl اور We are seven کلاس میں پڑھایا تو پہلے سنا ٹا پھر سکیاں اور پھر بھوں بھوں شروع ہوگئی۔'' (۱)

عصمت چغتائی کی انگریزی علی گڑھ کے معیار سے بھی کمزور تھی کیوں کہ انگریزی بہت دیر میں اور بڑی تیزی سے پڑھی تھی۔ جو سمجھتی تھی اسے لکھنا دشوار تھا۔ بولنے کی مہارت نہ تھی جس کی وجہ سے ذہن میں اردو کے جملے پہلے تشکیل پاتے پھر انھیں انگریزی میں منتقل کرتیں۔ عصمت کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ کتابیں دیکھ کر انھیں عجیب سکون ہوتا تھا جس کا ذکر خود عصمت نے یوں کیا ہے :

''لائبریری میں جا کر مجھ پر عجیب نشہ سا سوار ہو جاتا پرانی اور نئی کتابوں کی ایک عجیب مسحوکن خوشبو ہوتی ہے۔ جو داخل ہوتے ہی ہر چہار طرف سے دماغ پر حملہ آور ہوتی ہے۔ میں گھنٹوں کتابیں کھول کھول کر انھیں جی بھر کے سونگھا کرتی۔ اب بھی نئی کتاب اور رسالہ نہ جانے کیوں میں کھول کر پہلے بے اختیار سونگھتی ہوں۔ چینی اور روسی کتابوں میں خدا معلوم کیسا گوندلگا ہوتا تھا کہ سڑے ہوئے گوشت کی بو آتی تھی اور جی متلانے لگتا تھا۔ میں نے چاہا تھوڑا یوڈی کلون چھڑکوں تو اور بھی بھیانک بدبو آنے لگی۔ میں ہی جانتی ہوں میں نے کیسے ناک بند کر کے ان کتابوں کو پڑھا ہے مجھے کتابوں سے عشق ہے میرے بستر پر کتابیں اور رسالے نہ پڑے ہوں تو وحشت ہوتی ہے۔ میرے گھر کے ہر کونے میں کسی نہ کسی صورت میں کتابیں رکھی ہیں۔ یہاں تک کہ غسل خانہ میں بھی کامک اور اِدھر اُدھر کے ہلکے پھلکے رسالے رکھے رہتے ہیں۔ شاہد (عصمت کے شوہر) کو بھی کتابوں سے عشق تھا۔ ان کے ایک ہاتھ میں سگریٹ اور دوسرے میں کتاب ضرور رہتی تھی۔ کتابیں خریدنے کا انہیں ایسا جنون تھا شاید ہی کوئی مہینہ ایسا

---

(۱) (عصمت چغتائی۔ روشنی، روشنی، روشنی (مضمون) ''کاغذی ہے پیرہن'' ص-۲۷۵ پبلیکشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس۔ نئی دہلی ۱۹۹۴ء)

جاتا ہوجودو تین سو کی کتابیں نہ خریدتے ہوں۔ ایسی کتابیں جو نایاب ہوں پرانی کتابوں کی دکانوں سے خریدتے تھے انھوں نے اتنی لاجواب کتابیں جمع کی تھیں کہ میرا پڑھتے پڑھتے دماغ گھوم گیا''۔ (۱)

عصمت وطن پرست بھی تھیں۔ مہاتما گاندھی پر اعتماد تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کی علم بردار تھیں۔ گاندھی جی کے لکھنؤ آنے پر ان سے ملاقات کی۔ کھدّر پہن کر گاندھی جی سے آٹو گراف بھی لیا تھا اس واقعہ کو عصمت کبھی بھلا نہ پائیں۔ عصمت کو لکھنؤ کی آزاد فضا نے شعور بخشا۔ بازاروں میں گھومنا لڑکوں سے ملنے جلنے کا موقع ملا علی گڑھ کی سہمی زندگی کے مقابل یہ آزاد فضا عصمت کو ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ دوسری لڑکیوں کی طرح لڑکوں کی موجودگی میں خوف کا شکار نہ ہوتی تھیں کیونکہ عصمت نے بھائیوں کی سنگت میں پرورش پائی اور آزاد خیال والد کا سایہ نصیب ہوا۔

جاورہ :

عصمت چغتائی آئی .ٹی. کالج لکھنؤ سے بی .اے کرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی کے بلاوے پر ریاست جاورہ میں چھٹیاں گزارنے گئیں۔ عظیم بیگ وہاں جج کے عہدے پر فائز تھے۔ جاورہ ایک معمولی گم نام سی ریاست تھی۔ عصمت چغتائی جاورہ پہنچی تو ایک دھوم مچ گئی۔ ایک مسلم گریجویٹ لڑکی کی آمد کا پتہ چلتے ہی نواب صاحب نے فوراً سو روپیہ ماہوار پر اسکول کی ہیڈ مسٹریس کا عہدہ عطا کیا۔ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی مختلف عمر کی لڑکیاں انگریزی سیکھنے کی غرض سے آتی تھیں۔ نوابی خاندان کی عورتوں کو سکھانے کے لئے محل سے موٹر عصمت کو لینے آتی۔ وہاں کھانا، ناچ گانا محض عیش پرست زندگی سے عصمت کو

---

(۱) (عصمت چغتائی۔ روشنی، روشنی، روشنی (مضمون) ''کاغذی ہے پیرھن'' ص-۲۷۶ پبلیکشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس۔ نئی دہلی ۱۹۹۴ء)

اکتاہٹ ہونے لگی۔ یہ محفلیں انھیں بے رنگ سی معلوم ہوتی۔ عصمت کو وہاں کا نوابی شان وشوکت ایک آنکھ نہ بھایا وہ اپنی نوکری سے بیزار تھیں لہٰذا گھر میں جب عظیم بیگ کے چھوٹے بھائی ننھے بھائی کی نواب صاحب کی ناراضگی کے سبب آگرہ واپس چلے جانے کے امکانات پر بحث ہونے لگی تو عصمت نے فوراً موقع کا فائدہ اٹھا کر یوں پوزیشن واضح کی :

''بھئی میرے مستقبل کی فکر نہ کی جائے۔ ''میں نے اکڑ دکھائی'' میں چھٹیوں میں جاؤں گی تو پھر نہیں واپس آؤنگی''۔

''بیوقوف ہو کتنی خاطر ہوتی ہے تمہاری کچھ نہیں کرنا پڑتا مفت کی تنخواہ ملتی ہے۔ آرام سے موٹر میں گھومتی ہو۔ صاحبزادیاں تمہاری گرویدہ ہیں نواب صاحب فرشتہ ہیں ناشکر گزار ہو''۔

اور میں نے سوچا مفت بیٹھ کر تنخواہ لینی تھی تو کسی موٹے آسامی سے شادی میں زیادہ منافع رہتا۔ پھر لوگوں کو مجھ پر ترس بھی نہ آتا کہ بے چاری کی شادی نہیں ہوئی خود نوکری کرتی ہے''۔ (۱)

یہاں عصمت ایک سال سے بھی کم عرصہ تک رہیں ان کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا جس نے عصمت کو ریاست چھوڑنے پر مجبور کر دیا جاورہ کے نواب صاحب عصمت اور عظیم بیگ کی گیارہ سالہ بیٹی کو اپنی بہو بنانا چاہتے تھے، اور یہ نکاح صرف ایک دن کے بعد کرنا تھا عصمت کی والدہ اور بھائیوں کو بھی نکاح میں شریک کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ یہ رشتہ عصمت کے دور کے رشتے کے نانا جو نواب صاحب کے آدمی تھے وہ لے کر آئے تھے۔ عظیم بیگ کو دق کے اسپتال میں بھرتی کروادیا گیا تھا۔ پھر نانا آئے یہ باتیں عصمت کو سمجھ میں نہیں آئی لیکن نانا کے چلے

---

(۱) (عصمت چغتائی۔ سونے کا انگالدان (مضمون) ''کاغذی ہے پیرہن'' ص-۱۹۲ پبلیکشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس ۱۹۹۴ء)

جانے کے بعد عصمت لکھتی ہیں :

''نانا چلے گئے میں پتھر کا بت بنی عظیم بھائی کے دواؤں کی بدبو مین بسے ہوئے اجاڑ کمرے میں نہ جانے کب تک بیٹھی رہی۔ شاہی محل، سونے چاندی کے اگالدان، خاصدان، کبوتر کے انڈے کے برابر سچے موتی، فرش پر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے نظر آرہے تھے''۔

اور انگلینڈ میں اعلیٰ تعلیم کا زرّیں موقع۔

مگر اس کے ساتھ ایک عدد اجنبی نواب زادہ! اُف! میں نے کبھی سونیکے اگالدان میں نہیں تھوکا محل میں جاتے ہی پہلا کام غلاموں کو حکم دوں گی :

''سونے کا اگالدان حاضر کیا جائے'' اور جب اگالدان حاضر کیا جائے گا تو بڑی شان سے پھٹاک سے تھوک دوں گی''۔ (۱)

کھلی فضا میں سانس لینے والی عصمت کو اس پروازِ تخیل میں عصمت کا دم گھٹنے لگا۔ محل کی اونچی اونچی دیواریں اور گھٹی گھٹی فضا بے رنگ لگتی تھی۔ اور پھر نواب لوگ طلاق کے قائل نہیں تھے اگر عورت چیں چپڑ کرنے کی حماقت کرے تو اسے زہر دلوا دیتے تھے اور چھٹکارہ پا لیتے تھے۔ اور عصمت مزاج کے اعتبار سے تیز طرّار تھیں ان کی کسی سے ایک گھڑی بھی نہ بنتی۔ لہٰذا اگلے روز صبح سویرے ہی ریاست جاورہ کو خیرباد کہہ کر بریلی روانہ ہوگئیں۔

بریلی :

جاورہ سے عصمت چغتائی بریلی پہنچیں جہاں ان کی بھانجی نیّر کی شادی ہورہی تھی۔ شادی میں گرلز اسکول کے منیجر کی بیگم سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا :

---

(۱) (عصمت چغتائی۔سونے کا اگالدان (مضمون) ''کاغذی ہے پیرہن'' ص-۱۹۶ پبلیکیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس۔نئی دہلی ۱۹۹۴ء)

''مہینہ بھر سے اسکول کھلا ہوا ہے۔ مگر ہیڈ مسٹریس کا تقرر نہیں ہوا ہے، لوگوں کا تقاضہ ہے کہ مسلمان ہیڈ مسٹریس رکھی جائے اس لئے شادی کا ہنگامہ ختم ہوتے ہی آجایئے۔'' (۱)

سو روپیہ ماہوار پر عصمت نے اسکول کا چارج سنبھال لیا۔ رہائش کے لئے کوٹھی بھی دی گئی۔ عصمت اپنے حالات سے مسرور اور مطمئن تھیں۔ عصمت کا ارادہ بی.ٹی کرنے کا تھا اسلئے بریلی میں مستقل قیام نہیں کیا۔ بریلی کی لڑکیاں جاورہ کی لڑکیوں سے بہتر تھیں انھیں پڑھنے کا شوق تھا اور عصمت کو پڑھانے سے کافی دلچسپی تھی۔

''عصمت کا بریلی میں قیام بہت ثمر آور رہا۔ انھوں نے ریاست جاورہ کی گھٹی گھٹی فضا اور سازشی ماحول سے نجات پائی تو بریلی کی کھلی فضا میں چمک اُٹھیں۔ اسکول کو بطور ہیڈ مسٹریس خلوص تندہی اور یکسوئی سے چلانے کا تجربہ بہت کارآمد ثابت ہوا۔ ہر قسم کے پڑھے لکھے مہذب اور متمدن لوگوں سے شب و روز کا سابقہ و رابطہ انکی شخصیت کو جاذب، پُر اثر اور پُر وقار بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوا۔ اس دور میں انکی شخصیت رچ بس کر ایک مخصوص سانچے میں ڈھلنی شروع ہوئی جس نے انھیں انفرادیت عطا کی۔ حاضر دماغی اور بول چال میں تیزی طرّاری گو ان میں ہمیشہ سے تھی لیکن بریلی میں ان کا یہ جوہر کھل اٹھا''۔ (۲)

بمبئی :

عصمت بمبئی میں اپنے بڑے بھائی کے یہاں قیام پذیر ہوئیں۔ یہاں شاہد لطیف سے دوبارہ عصمت کی ملاقات ہوئی دونوں میں میل جول بڑھا دونوں سیر و تفریح کے لئے نکل جاتے سمندر کے کنارے جاتے، فلمیں دیکھتے، دوست و احباب و ادیب سے ملتے جلد ہی ان کا عشق شدت سے پروان چڑھنے لگا۔

---

(۱) (عصمت چغتائی۔ ''کاغذی ہے پیرہن''۔''الٹے بانس بریلی'' (مضمون) ص-۲۰۲ پٹیالہ ہاؤس۔نئی دہلی ۱۹۹۴ء)

(۲) (جگدیش چندر ودھان عصمت چغتائی شخصیت اور فن۔ ص-۸۰ کتابی دنیا۔ نئی دہلی ۲۰۰۶ء)

شاہد سے عصمت کی پہلی ملاقات علی گڑھ قیام کے دوران ہوئی۔ جب وہ بی.ٹی اور شاہدلطیف ایم.اے کرر ہے تھے۔ عصمت اور شاہد کے معاشقے کو عصمت کے بھائی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ وہ عصمت کے لئے خوشحال اور اونچے گھرانے کے خواہش مند تھے وہ اپنی بہن عصمت جو ساڑھے تین سو روپیہ مہینہ تنخواہ پارہی تھیں اس کے لئے کم از کم پندرہ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پانے والے لڑکے کے متمنی تھے۔ وہ ایک سو پچھتر روپیے پانے والے شاہد سے خفا تھے۔ دونوں کی ملاقات اور سیر وتفریح پر پابندیاں عائد کردیں۔ شاہد کا عصمت کے گھر بے تکلف آنا جانا بند ہوگیا۔ لیکن عصمت آزاد طبیعت کی مالک تھیں انھیں یہ بات ناگوار گزریں اور وہ چپکے سے بورڈنگ ہاؤس میں منتقل ہوگئیں۔ اس کا ذکر عصمت نے ایک انٹرویو میں یوں کیا ہے :

طاہر مسعود : شاہدلطیف صاحب سے کیسے شادی ہوئی ؟

عصمت : میں شاہد کے ساتھ آزادنہ گھومتی تھی۔ ایک روز ہم فلم اسٹوڈیو گئے۔ وہاں سے واپسی پر ایک ہیروئن نینا کے گھر چلے گئے۔ وہاں بیٹھے گپیں مارتے رہے۔ رات بہت ہوگئی تو وہیں سو گئے۔ اگلے دن گھر پہنچے تو بھائی کو سخت غصہ آیا۔ کہنے لگے! ''تم میرے گھر سے نکل جاؤ'' میں نے کہا : ''اوکے'' میں کسی ہاسٹل میں چلی جاؤنگی۔ جھگڑا ہوا اور میں ہاسٹل چلی گئی۔ (۱)

عصمت آزاد منش وخود پرست عورت تھیں وہ اپنی کمزوریوں سے خوب واقف تھیں۔ اسلئے شادی سے قبل عصمت نے شاہدلطیف کو سمجھایا اور تنبیہ کی :

---

(۱) (عصمت چغتائی شخصیت اورفن۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش ص-۶۳۸ بمبئی ۱۹۹۲ء)

''میں گڑ بڑ قسم کی لڑکی ہوں، بعد میں پچھتاؤ گے، میں نے ساری عمر زنجیریں کاٹی ہیں۔ اب کسی زنجیر میں جکڑی نہ رہ سکوں گی۔ فرمانبردار، پاکیزہ عورت ہونا مجھ پر سجتا ہی نہیں ہے۔ لیکن شاہد نہ مانے'' (۱)

عصمت نے ازدواجی زندگی آسودہ اور اطمینان بخش گزاری، تنگ دستی کے دور کو بھی پرسکون گزارا عصمت اور شاہد نے مل کر کامیاب فلمیں بھی بنائیں۔ روپیہ کمایا اور دونوں زندگی کی ہر نعمت سے فیضیاب ہوئے، ایک انٹرویو میں عصمت نے اس طرح اظہار کیا ہے :

''خدا نے ضرورت سے زیادہ دے دیا ہے۔ سنگ مرمر کا مزار نہیں بنوانا ہے''

''پانچ کمروں کا فلیٹ لے لیا تھا وہی چل رہا ہے، دو ڈھائی لاکھ بیٹیوں اور نواسے کے نام سے جمع کرادیا ہے'' (۲)

عصمت شاہد سے اپنی ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں :

''مرد عورت کو پوج کر دیوی بنانے کو تیار ہے وہ اسے محبت دے سکتا ہے عزت دے سکتا ہے صرف برابری کا درجہ نہیں دے سکتا.......شاہد نے مجھے برابری کا درجہ دیا تھا۔ اس لئے ہم دونوں نے ایک اچھی زندگی گزاری''۔ (۳)

عصمت نے مشہور افسانہ نگار رام لعل کو ایک ملاقات کے دوران اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں بتایا :

''ہم دونوں نے ''لومیرج'' کی تھی لیکن شاہد پر میں نے روک ٹوک نہیں لگائی۔ چاہے جس سے ملے، میں اپنے لئے لکھنے کی پوری آزادی چاہتی تھی، جو مجھے ملی، بلکہ اسے کوئی مجھ سے چھین ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک مثالی سمجھوتا IDEAL ARRANGEMENT تھا'' (۴)

---

(۱) (عصمت چغتائی، شخصیت اور فن۔ جگدیش چندر ودھاون ص-۸۲ کتابی دنیا- دہلی ۲۰۰۶ء) انٹرویو از شمع افروز زیدی باتیں عصمت آپا سے

(۲) (عصمت چغتائی، شخصیت اور فن۔ جگدیش چندر ودھاون ص-۸۲ کتابی دنیا- دہلی ۲۰۰۶ء) "

(۳) (عصمت چغتائی، شخصیت اور فن۔ جگدیش چندر ودھاون ص-۸۷ کتابی دنیا- دہلی ۲۰۰۶ء) "

(۴) (عصمت چغتائی، شخصیت اور فن۔ جگدیش چندر ودھاون ص-۸۷ کتابی دنیا- دہلی ۲۰۰۶ء) بحوالہ رام لعل 'عصمت چغتائی' (ادبی خاکے) ص-۴۴

عصمت کی دو بیٹیاں ہوئیں سیما اور سبرینہ۔ وہ اپنی اولاد کی جانب سے مطمئن رہیں۔

عصمت جس حال میں بھی رہیں خوشحال اور صابر وشاکر رہیں۔ بڑی لڑکی سیما نے ہندو سے شادی کی اس کا شوہر فوت ہوگیا مگر اس نے جائیداد سے کچھ نہ لیا۔ اور چند دوستوں سے مل کر ایک اشتہاری کمپنی کھولی۔ سیما اور اس کا بیٹا آریہ سماجی ہندو تھے۔ عصمت کی بیٹیوں اور بہن کے بیٹوں نے غیر مسلم سے شادی کی تھی جس کے بارے میں عصمت لکھتی ہیں :

''میرا خاندان ایک بھیل پوری ہے، ہم سب کچھ بھول بھال کر پیار سے رہتے ہیں۔ ہولی، دیوالی، عید، شب برات بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں''۔ (۱)

عصمت فارغ البال، مہذب، مذہب کی جکڑ سے آزاد، وسیع الخیال تعصب سے پاک خاندان کی تصویر تھیں۔ جس نے زمانے سے بے نیاز ہو کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزاری۔ ترقی پسند ادیبہ تھیں۔ ان کا نصب العین ملک میں کمیونزم کی راہ ہموار کرنا تھا۔

آخر وقت اپنی برق رفتاری سے گزرتا گیا۔ اور عصمت کو ضعیف العمری نے گھیر لیا۔ لکھنا چھوڑ دیا۔ ۲۴/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو صبح عصمت اپنے بستر پر مردہ پائی گئیں۔ انکی موت رات سوتے میں ہوگئی تھی۔ مرنے سے پہلے وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ بھئی مجھے تو قبر سے ڈر لگتا ہے۔ مٹی میں توپ دیتے ہیں۔ عصمت کی وصیت کے مطابق ان کے جسد خاکی کو سپرد خاک کرنے کی بجائے آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ عصمت نے مر کر بھی خود پر زندہ لوگوں کے اختیارات کو چلنے نہیں دیا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ زندہ یا مردہ اور اپنی علیحدگی کی ڈگر پر چلیں۔ اور مرتے مرتے بھی دوسروں کو جلانے کا سامان کر گئیں۔

---

(۱) (جگدیش چندر ودھاون عصمت چغتائی شخصیت اور فن۔ ص-۸۴ ۲۰۰۶ء)
بحوالہ عصمت چغتائی ''باتیں عصمت آپا سے'' انٹرویو شمع افروز زیدی ماہنامہ بیسویں صدی۔ نئی دہلی ۱۹۹۲ء ص-۱۶، ۲۷

ہمارے نامور افسانہ نگار سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، اوپندرناتھ اشک اور عصمت چغتائی نے نہ صرف فلمی کہانیاں اور مکالمے لکھے بلکہ فلمیں بھی بنائیں اور عصمت نے چھوٹا سا رول بھی ادا کیا۔ عصمت جن فلموں سے وابستہ رہیں وہ حسب ذیل ہیں :

شمار	فلم کا نام	ہیرو اور ہیروئن کا نام	ریلیز کا سال
۱	چھیڑ چھاڑ	نذیر - ستارہ	۱۹۴۳ء
۲	شکایت	شیام - پربھا	۱۹۴۸ء
۳	ضدّی	دیوانند - کامنی کوشل	۱۹۴۸ء
۴	آرزو	دلیپ کمار - کامنی کوشل	۱۹۵۰ء
۵	بزدل	کشور ساہو - نمّی	۱۹۵۱ء
۶	شیشہ	سجّن - نرگسی	۱۹۵۲ء
۷	فریب	کشور کمار - شکنتلا	۱۹۵۳ء
۸	دروازہ	شیکھر - شیاما	۱۹۵۴ء
۹	سوسائٹی	ناصر خان - نمّی	۱۹۵۵ء
۱۰	لالہ رُخ	طلعت محمود - شیاما	۱۹۵۸ء
۱۱	سونے کی چڑیا	طلعت محمود - نوتن	۱۹۵۸ء
۱۲	گرم ہوا	بلراج ساہنی - گیتا سدھارتھ	۱۹۷۳ء
۱۳	جنون	ششی کپور - نفیسہ علی	۱۹۷۹ء

عصمت کی بہترین فلم ''گرم ہوا'' تھی جس کی کہانی عصمت نے لکھی۔ ڈائیلاگ کیفی اعظمی کے تھے۔ عصمت نے شیام بنیگل کی فلم ''جنون'' میں ایک بڑھیا کا رول ادا کیا۔ اور جب انہیں اس رول کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے ہنستے ہنستے مزے لے کر یہ جواب دیا :

''اس بڑھیا کا رول پہلے ایک اور آرٹسٹ کو دیا گیا تھا لیکن وہ مرنے سے بہت ڈرتی تھی اس فلم میں اسے ایک منزل پر مر جانا تھا اور اتفاق دیکھو وہ فلم میں ادھورا کام چھوڑ کر مرگئی۔ یعنی مرنے کی ادا کاری کرنے سے پہلے ہی شیام بنیگل نے ایک روز اچانک مجھے وہی رول آفر کردیا۔ میں تو بھئی موت ووت سے بالکل نہیں ڈرتی۔ کل کی آتی آج آجائے۔ میں نے جھٹ اس رول کو قبول کرلیا'' (۱)

''آرزو''، ''شیشہ''، ''بزدل'' ''فریب'' ''دروازہ'' ''سوسائٹی'' ''سونے کی چڑیا'' فلمیں عصمت اور ان کے شوہر شاہد لطیف نے پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کی حیثیت سے بنائیں۔ منٹو نے اشوک کمار کی فلم ''آٹھ دن'' میں فوجی کپتان کا رول ادا کیا تھا۔ اوپندر ناتھ اشک نے راجندر سنگھ بیدی کی آخری فلم ''آنکھن دیکھی'' میں چھوٹا سا کردار ادا کیا۔ مہندر ناتھ جو کرشن چندر کے بھائی تھے انہوں نے کرشن چندر کی فلم۔ ''راکھ'' میں ہیرو کا رول ادا کیا۔ ہمارے افسانہ نگاروں کو فلمی زندگی سے وابستگی نے خوشحالی بخشی اور زندگی جینے کی طرح جیئے عصمت بھی اُسی میں سے ایک تھیں۔

---

(۱) جگدیش چندر ودھاون-عصمت شخصیت اورفن۔ ص-۱۹۴، ۱۹۵۔ بحوالہ رام لعل، عصمت چغتائی مجموعہ دریچوں میں رکھے چراغ شانتی نکتین اندرانگر، لکھنؤ ص-۱۳۹